سوال نمبر 1

حضرت شاہ ولی اللہ کا اصل نام قطب الدین احمد اور کنیت ابوالفیاض تھی۔ آپ 21 فروری 1703ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم بہت بڑے صوفی بزرگ اور عالم دین تھے انہوں نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا۔ شاہ ولی اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی۔ سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور گیارہ برس کی عمر میں حدیث پر عبور حاصل کر لیا۔ سترہ برس کی عمر میں والد محترم کا انتقال ہوا تو آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعدازاں آپ حج کے لئے سعودی عرب چلے گئے۔ 1734ء میں سعودی عرب سے واپس آئے آپ نے سعودی عرب میں 12 سال قیام کیا۔ 1730ء میں حج کے دوران آپ کی ملاقات شیخ ابوطاہر مدنی سے ہوئی شاہ صاحب نے ان سے قرآن اور حدیث کی تعلیم حاصل کی اور پھر وطن واپس آ کر آپ نے مسلمانوں کی اصلاح اور راہنمائی کا کٹھن فریضہ سرانجام دینے کا فیصلہ کیا۔ آپ کا انتقال 1762ء کو دہلی میں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خدمات

۱۔ قرآن پاک کا فارسی ترجمہ	۲۔ ادبی خدمات
۳۔ علم حدیث کی تدریس و اشاعت	۴۔ فقہی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش
۵۔ اجتہاد کی ضرورت	۶۔ معاشرتی اصلاحات
۷۔ سیاسی خدمات	۸۔ جہاد کی تلقین
۹۔ دو قومی نظریہ	۱۰۔ اقتصادی اصول
۱۱۔ مرہٹوں کے خاتمے کے اقدامات	۱۲۔ خانہ جنگی کے خاتمے کے لیے اقدامات
۱۳۔ علماء کرام میں اتحاد کی کوششیں	۱۴۔ مسلم معاشرے کی تشکیل نو
۱۵۔ مضبوط اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد۔	۱۶۔ اصلاحی اور جہادی تحریکوں کا آغاز

۱۔ قرآن پاک کا فارسی ترجمہ:

علمی میدان میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سب سے اہم کارنامہ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے۔ برصغیر میں اسلامی حکومت تقریباً ایک ہزار سال قبل قائم ہوئی تھی لیکن قرآن پاک کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کی سعادت صرف حضرت شاہ ولی اللہ کو حاصل ہوئی۔ آپ کو اس حقیقت کا احساس تھا کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل کا حل صرف قرآن پاک میں ہے مگر عوام کی اکثریت عربی سے ناواقف ہونے کے باعث اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے لہذا آپ نے 1738ء میں "فتح الرحمٰن" کے نام سے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا اس دور میں علماء کسی اور زبان میں قرآن کے ترجمے کو خلاف اسلام سمجھتے تھے انہوں نے ترجمہ شائع ہوتے ہی آپ کے خلاف ہنگامہ بپا کر دیا لیکن آپ نے بڑی جرأت اور فرض شناسی سے اس مسئلے پر قابو پا لیا۔ آپ نے لوگوں کو سمجھایا کہ قرآن پاک اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اسے ریشمی غلاف میں لپیٹ کر طاق پر سجا دیا جائے یا مفہوم و معانی سمجھے بغیر ناظرہ پڑھ لیا جائے بلکہ اس کو پڑھ کر سمجھنا اور اس پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ بعدازاں لوگ آپ کی معاملہ فہمی کے قائل ہو گئے اس ترجمے سے مسلمانوں میں قرآن فہمی کا شعور پیدا ہو گیا اور وہ عیسائی مبلغین کے قرآن پر اعتراضات کا جواب دینے کے قابل ہو گئے اس کے بعد اس رجحان نے بہت ترقی پائی اور آج دنیا کی لاتعداد زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ موجود ہے۔

www.paksights.com

۲۔ ادبی خدمات:

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مذہب، معاشرتی اصلاح اور سیاسیات کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں 51 کتابیں لکھیں۔ جن میں سے 23 کتابیں اردو میں جبکہ 28 کتابیں فارسی میں لکھیں۔ آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف حجتہ اللہ البالغہ میں اس امر پر بحث کی ہے کہ شرعی احکام مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں مثلاً زکوۃ اس لیے فرض ہوئی کہ بخل کی برائی کو دور کیا جائے اور غریبوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ اسی طرح قصاص شریعت میں اس لیے فرض کیا گیا کہ وہ قتل وخون ریزی کو روکے۔ جہاد فتنہ وفساد کو روکنے کے لیے فرض کیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اے اہل عقل قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔'' حج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (شعائر اللہ) کی تعظیم کے لیے فرض کیا گیا اسی طرح اور بہت سے احکام ہیں جن کے مصالح پر مبنی ہونے کا ثبوت ہمیں قرآنی آیات اور احادیث سے ملتا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن المصوئی المصفیٰ اور خلافت الخلیفہ وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ علم حدیث کی تدریس واشاعت:

حضرت شاہ ولی اللہؒ حدیث کے ماہر استاد تھے۔ آپ مدرسہ رحیمیہ میں حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ مغلیہ دور میں اسلامی مدارس میں صرف ونحو اور منطق وفقہ کی کتابیں تو پڑھائی جاتی تھیں لیکن قرآن وحدیث کی تعلیم کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ بنیادی طور پر محدث تھے۔ آپ حضرت امام مالکؒ کے مرتب کردہ مجموعہ احادیث کے بڑے مداح تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''روئے زمین پر اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب الموطا ہے۔''

آپ نے موطا کی عربی اور فارسی زبان میں شرح لکھی عربی شرح کا نام ''المسوّیٰ'' اور فارسی شرح کا نام ''المصفیٰ'' ہے اس کے علاوہ آپ نے عام مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لیے مختصر احادیث کے مجموعے بھی مرتب کیے۔ مسلمان قوم پر آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے علماء کی ایک جماعت تیار کی جس نے علم حدیث کو برصغیر کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔

۴۔ فقہی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش:

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک مسلمانوں کی پستی اور زوال کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ وہ فروعی اختلافات اور فرقہ بندیوں کا شکار ہو چکے تھے لہذا آپ نے بڑی دانش مندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ کی بنیادوں پر سے پردہ اٹھایا اور اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' لکھا جس میں فقہہ اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں پائے جانے والے اختلافات کی وضاحت کی اور پھر ان کو حل کرنے کے لیے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ ایسا مسلک اختیار کریں جو قرآن وسنت کے قریب ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''فقہ اور اسلامی قوانین کا تعلق ان کے سرچشموں یعنی قرآن وسنت سے ہے۔''

۵۔ اجتہاد کی ضرورت:

اسلام پر عمل پیرا ہو کر انسان ایک مہذب اور کامیاب شہری بن سکتا ہے لیکن اس زمانہ میں علماء کی اکثریت اسلام کو متحرک دین کے طور پر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی انہوں نے اسلام کو محض عبادات اور رسومات تک محدود کر دیا تھا۔ اور تقلید جامد یعنی اندھی تقلید پر یقین رکھتے تھے انہوں نے دین کے بارے میں غور وخوض کرنا چھوڑ دیا تھا ان کا قول تھا:

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان کے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہیں۔''

www.paksights.com

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک کتاب "عقد الجید فی احکام الاجتہاد و تقلید" لکھی جس میں آپ نے علماء پر زور دیا کہ عصر حاضر کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کو اجتہاد کرنا چاہیے، کیونکہ اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کی اجازت دے رکھی ہے۔ قرآن میں آتا ہے:

"پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی واضح کردیا ہر کس و ناکس مجتہد نہیں ہوسکتا مجتہد کے لیے اسلامی قوانین کا ماہر اور فقیہہ ہونا لازم ہے۔

۶۔ معاشرتی اصلاحات:

زمانہ منتظر ہے پھر نئی شیرازہ بندی کا ۔۔۔ بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

ہندوؤں کے ساتھ میل جول اور باہمی اختلاط کے باعث مسلمانوں میں بہت سی غیر اسلامی رسومات رائج ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اسلامی عقائد و نظریات کی بجائے مشرکانہ طور طریقوں کو اپنا لیا تھا آپ نے مسلم معاشرے کی اصلاح کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

1۔ ہندو اثرات کے تحت مسلمان بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے آپ نے بیوہ سے نکاح کو سنت رسول ﷺ قرار دیا۔
2۔ آپ نے قبر پرستی اور پیر پرستی کی پرزور مذمت کی اور لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک اور توہم پرستی سے اجتناب کریں۔
3۔ شادی بیاہ میں اسراف سے بچنے کی تلقین کی کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔
4۔ غمی اور موت کے موقع پر بے جا رسومات تیسرے، چھٹے اور چہلم جیسی رسومات کی شدید مخالفت کی اور تین دن سے زیادہ سوگ کو خلاف شرع قرار دیا۔
5۔ آپ نے لوگوں کو رزق حلال کمانے کی تلقین فرمائی۔
6۔ آپ نے دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو ختم کرنے پر زور دیا۔
7۔ آپ نے معاشرے کو فرقہ پرستی اور گروہ بندی سے پاک کرنے کی تلقین کی آپ نے شیعہ سنی اور خود سنیوں کے اندر اختلاف کو دور کرنے کی اہمیت پر بہت زور دیا۔
8۔ آپ نے لوگوں کو سادہ زندگی گذارنے کی تلقین فرمائی۔

۷۔ سیاسی خدمات:

آپ نے برصغیر میں اسلامی حکومت کے استحکام کیلئے بھی اصول و قوانین وضع کیے۔ آپ نے امراء اور حکمرانوں کو بحیثیت مسلمان ان کے فرائض سے آگاہ کیا انہیں تلقین کی کہ اندرون ملک امن و امان قائم کرنے کیلئے فتنہ و فساد کو جڑ سے کاٹ پھینکنے کیلئے اقدامات کریں۔ زمین کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ خود کو مالک ملک یا مالک قوم تصور کرے سربراہ مملکت قومی خزانے سے اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ وہ ایک عام شہری کی طرح زندگی گزار سکے آپ نے دولت کی غلط تقسیم اور حکومت کی طرف سے ناجائز ٹیکسوں کی بھرمار کو قوم کے لیے مہلک قرار دیا۔ حکمران، امراء اور علماء باہمی اختلافات کو ختم کر کے متحد اور منظم ہو جائیں۔ برصغیر میں بسنے والی تمام قوموں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جائے اور کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ کیا جائے۔

۸۔ جہاد کی تلقین:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!!

www.paksights.com

اورنگزیب کی وفات کے بعد مسلمانوں کا زوال شروع ہو گیا۔ اس دور میں جہاد ناپید ہو چکا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ جہاد کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اس لیے آپ نے مسلمان حکمرانوں کو ہدایت کی کہ وہ دشمنان دین کے خلاف ہر وقت چوکس رہیں اور پوری قوم کو بھی دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہنا چاہیے مسلمانوں کی سہل پرستی کے باعث جاٹ، سکھ مرہٹے اور دوسرے غیر مسلم عناصر بڑی طاقت پکڑ چکے تھے آپ کے نزدیک صرف جہاد کا راستہ ہی ہندوستان میں کفر کے غلبے کو ختم کر سکتا ہے۔

۹۔ دوقومی نظریہ اور حضرت شاہ ولی اللہ:

ستیزہ کار رہا ہے ازل تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

حضرت شاہ ولی اللہؒ دوقومی نظریے کے پرزور حامی تھے۔ آپ نے دوقومی نظریے کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو مضبوط علیحدہ قوم قرار دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اسلامی تہذیب وتمدن، تاریخی روایات، اسلامی ثقافت اور اپنے ملی ورثے کو ترقی دیں۔ اپنے جداگانہ تشخص کو ہر حالت میں برقرار رکھیں اور ہندوؤں کی مستعار لی ہوئی غیر اسلامی رسموں کو ترک کر دیں۔ آپ نے اسلام کو ہندومت میں جذب کرنے کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا بعد ازاں یہی دوقومی نظریہ تحریک پاکستان کی اساس بنا۔

۱۰۔ اقتصادی اصول:

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مایہ ناز تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں جو اقتصادی اصول مرتب کیے ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

۱۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے مزدور اور کاشتکار قوت کا سرچشمہ ہیں جو شخص ملک اور قوم کے لیے کام نہ کرے اس کا ملک کی دولت میں کوئی حصہ نہیں۔

۲۔ جوا اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں ان کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

۳۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے وہ قوم کا دشمن ہے اور اسے ختم ہو جانا چاہیے۔

۴۔ کام کے اوقات کار مقرر کیے جائیں مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اپنی اخلاقی اور روحانی اصلاح کی طرف توجہ دے سکیں۔

۵۔ وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں دولت چند افراد یا چند خاندانوں میں محدود ہو کر رہ جائے جلد از جلد ختم کر کے عوام کو مصیبت سے نجات دلائی جائے۔

۱۱۔ مرہٹوں کے خاتمے کے اقدامات:

اورنگزیب عالمگیر کے جانشینوں کی نااہلی کے باعث مسلمانوں کی سیاسی اور فوجی قوت ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ جاٹ اور مرہٹے دہلی کے لال قلعہ کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے۔ پنجاب میں سکھ مسلمانوں پر شدید مظالم ڈھا رہے تھے ہر طرف فتنوں کا زور تھا۔ آپ ہندوستان کی سیاسی حالت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے آپ نے روہیل کھنڈ کے حکمران نجیب الدولہ اور افغانستان کے فرمانروا احمد شاہ ابدالی کو خطوط کے ذریعے برصغیر کے آفت زدہ مسلمانوں کی امداد پر آمادہ کیا۔ آپ کی تحریک پر 1761ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں اور ان کے اتحادیوں کو ذلت آمیز شکست دی اس فتح سے ہندو راج کے قیام کا خطرہ 1947ء تک ٹل گیا بعد ازاں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کر کے سکھوں کی طاقت کو بھی منتشر کر دیا۔

۱۲۔ اصلاحی اور جہادی تحریکوں کا آغاز:

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد کئی اصلاحی اور جہادی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر سید

www.paksights.com

احمد شہید بریلوی نے تحریک مجاہدین شروع کی۔ جس کا مقصد پنجاب اور سرحد سے سکھوں کی حکومت کا قلع قمع کرنا تھا۔ آپ برصغیر میں ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس کی بنیاد اسلامی قوانین پر ہو آپ مسلمانوں کے مذہبی احیاء کے ساتھ ساتھ ان کی دوبارہ سیاسی بلندی کے بھی خواہاں تھے۔ علاوہ ازیں تیتو میر کی تحریک اور فرائضی تحریک بھی اسی سلسلے کی اہم کڑیاں تھیں۔

۱۳۔ خانہ جنگی کے خاتمے کے اقدامات:

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں میں باہمی نفاق اور خانہ جنگی کو اُم الفتن (فتنوں کی ماں) قرار دیا۔ آپ کے نزدیک ملک میں باہر کے فتنوں کو جگانے میں جو عناصر کام کر رہے ہیں ان کا تعلق باہر سے نہیں بلکہ ہمارے اندر ہی سے ہے۔ عہد عالمگیر کے بعد مغل حکومت فتنوں کے جس طوفان میں گھر گئی تھی اور جتنے سیلاب باہر سے آئے ان کا سرچشمہ بھی اندر ہی تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ بیرونی فتنوں کا سدباب کرنے کیلئے اپنی صفوں کے اندر اتحاد پیدا کریں اور دشمنانِ دین کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

کیا کریں ظلمتِ حالات کا شکوہ کہ سعود
ہم نے اندر کے اندھیروں کی سزا پائی ہے

۱۴۔ علماء کرام میں اتحاد کی کوششیں:

مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت اتحاد کی تھی اور اس کی راہ میں علماء کرام رکاوٹ تھے جو دو بڑے گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے تھے۔ مناظرے آئے دن کا معمول تھے۔ علماء کے نظریاتی اختلافات نے پوری مسلم قوم کو تقسیم کر رکھا تھا۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحث جو مدتوں سے چلی آ رہی تھی۔ اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ بام عروج پر تھی۔ دونوں گروہوں سے منسلک افراد ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی فکر میں تھے ایسے میں شاہ صاحبؒ نے صلح جوئی کی بھرپور کوشش کی۔ آپ نے سادہ اور قابل عمل مذہبی اصولوں کو اپنانے پر زور دیا۔ رفتہ رفتہ علماء نے افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔

۱۵۔ مسلم معاشرے کی تشکیل نو:

حضرت شاہ ولی اللہؒ عالم دین بھی تھے۔ اور معاشرے کے بارے میں بھی ان کا علم بڑا عمیق تھا ایک ماہر عمرانیات کی حیثیت سے انہوں نے مسلم معاشرے کی خصوصیات اور اس میں موجود خرابیوں کا جائزہ لیا اور ان کو دور کرنے کیلئے تجاویز پیش کیں۔ تفہیمات نامی تصنیف میں بالخصوص آپ نے اصلاح کیلئے نقاط پیش کیۓ وہ مسلم معاشرے کے داخلی تضادات اور اختلافات کو ختم کرنا چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرے کو نئے سرے سے بہتر بنیادوں پر پورے برصغیر میں استوار کیا جائے۔ آپ نے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے اور مشترکہ مسائل کو بے غرضی سے حل کرنے پر زور دیا۔ حضرت نے ریاست اور معاشرے کے ارتقاء کا بڑی تفصیل سے جائزہ لے کر مسلم معاشرے کی تشکیل نو کیلئے اقدام اٹھائے۔ انہوں نے ہر طبقے کو اپنا کردار خوش اسلوبی سے نبھانے اور مجموعی بہبود کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی۔

۱۶۔ اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش:

حضرت شاہ ولی اللہؒ برصغیر میں مضبوط اسلامی ریاست کے قیام کے خواہش مند تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور میں مسلمان سیاسی اعتبار سے بہت ہی دگرگوں حالت میں تھے ان کے اقتدار کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اگرچہ مسلمانوں کی حکومت صدیوں سے قائم چلی آ رہی تھی لیکن اسے شاہ صاحبؒ نے مثالی اسلامی نظام ہرگز تسلیم نہ کیا۔ وہ شہنشاہیت و ملوکیت کے مخالف تھے انہیں جاگیردار نظام سے بھی چڑ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان نہ صرف دوبارہ مظبوط ترین سیاسی قوت بن جائیں بلکہ یہ بھی کہ ملک میں حقیقی اسلامی نظام رواج پائے۔ وہ مسلم عوام کی مرضی سے قائم ہونے والی حکومت کے خواہاں تھے اور چاہتے تھے کہ ملک میں اسلامی حدود و تعزیرات نافذ ہوں۔ وہ شریعت کو پوری تفصیل کے ساتھ نافذ کرنے

www.paksights.com

کے حق میں تھے نظام اسلام کا نفاذ ان کا مقصود تھا۔ خلافت کے قیام کو ضروری سمجھتے تھے اور حکمران کو خدا تعالیٰ کی شریعت کا پابند اور عوام کے سامنے جواب دہ قرار دیتے تھے۔

۱۷۔ شاہ ولی اللہ کے خاندان کی خدمات:

آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد نے بھی اسلام کی بے پناہ خدمت کی آپ کے بیٹوں نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز باپ کی طرح بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے علم حدیث کی ترویج کیلئے بڑا کام کیا سید احمد شہید بریلوی نے آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر تحریک مجاہدین شروع کی آپ کے دو بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن مجید کے اردو تراجم شائع کیے۔ آپ کے بیٹے شاہ عبدالغنی نے مسلمانان ہند کی دینی اور سیاسی راہنمائی کی۔ شاہ اسماعیل شہید شاہ عبدالغنی کے فرزند تھے جنہوں نے اسلام کیلئے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پانچویں بیٹے شاہ محمد صوفی بھی ایک بلند پایہ عالم دین تھے شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے زیر سایہ اتنے علماء پیدا ہوئے کہ برصغیر کی علمی دنیا میں ایک انقلاب آ گیا۔

حاصل کلام:

برصغیر میں احیاء دین اور تبلیغ اسلام کیلئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں آپ نے درس و تدریس اور اپنے قابل تقلید کارناموں سے عوام کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا "وحدہ لا شریک" سے محبت اور عقیدت کا درس دیا ہندوستان میں مرہٹوں اور جاٹوں کی سیاسی برتری کے طلسم کو توڑا آپ کی تعلیمات نے برصغیر میں روبہ زوال مسلم معاشرے کو سنبھالا ہی نہیں دیا بلکہ اسے تحریک پاکستان کی راہ بھی دکھائی۔

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تیری تاریک راہوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

سوال نمبر 2

نظریہ کی تعریف:

نظریہ کی چند تعریفیں مندرجہ ذیل ہیں:

"نظریہ سے مراد ایسا لائحہ عمل ہے جس کے زیر اثر افراد سے لے کر اقوام تک اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔"

"نظریہ عام طور پر کسی بھی سیاسی، سماجی یا معاشرتی تحریک کے ایسے لائحہ عمل کو کہتے ہیں جو واقعات اور حقائق کی روشنی میں کسی بھی قوم کا مشترکہ نصب العین بن جائے۔"

ورلڈ انسائیکلو پیڈیا کے مطابق "نظریہ اُن سیاسی اور تمدنی اصولوں کا مجموعہ ہے جن پر کسی قوم یا تہذیب کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔"

نظریہ پاکستان کا مفہوم:

برصغیر کے تاریخی تناظر میں نظریہ پاکستان سے مراد وہ نظریہ ہے جو برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کے لیے قائم کیا تھا۔ یعنی یہ مسلمانوں کا وہ خیال تھا جس کی بناء پر وہ ہندوؤں سے الگ قوم ہیں۔ نظریہ اسلام ہی دراصل نظریہ پاکستان ہے۔

www.paksights.com

نظریہ پاکستان مختلف مفکرین کی آراء کی روشنی میں:

مختلف مفکرین نے نظریۂ پاکستان کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں کی ہے۔

(1) سید علی عباس:

نظریہ پاکستان اور نظریہ اسلام ہم معنی ہیں۔ درحقیقت نظریہ پاکستان اسلامی تعلیمات کی عملی صورت کا نام ہے۔

(2) ڈاکٹر اسلم سید:

نظریہ پاکستان انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے اور اُن نظریات سے بچنے کا سبب جو اسلام کے منافی ہیں۔

(3) علامہ علاؤالدین صدیقی:

نظریہ پاکستان اس چیز کا نام ہے کہ اس سرزمین کے اندر دینِ اسلام رائج ہو، افراد پر بھی، جماعتوں پر بھی حکومت پر بھی اور تمام قوتوں سے قوی تر قوت یہاں اسلام ہو۔

نظریہ پاکستان علامہ اقبال کے ارشادات کی روشنی میں:

علامہ اقبال نہ صرف ایک بہت بڑے شاعر تھے بلکہ فلاسفر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے اہم سیاسی رہنما بھی تھے۔ اُنہوں نے بہت جلد اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ برصغیر کے مسلمان نہ صرف علیحدہ قوم ہیں بلکہ اُن کے لیے علیحدہ ملک کا حصول ناگزیر ہو چکا ہے۔ نظریہ پاکستان کی وضاحت علامہ اقبال کے ارشادات کی روشنی میں درج ذیل ہے:

۱۔ مسلمانوں کی علیٰحدہ مذہبی اور ثقافتی پہچان
۲۔ علیحدہ مسلم ریاست کا تصور
۳۔ متحدہ قومیت قابل عمل نہیں
۴۔ دوقومی نظریہ کا تصور
۵۔ نسلی اور وطنی امتیاز کا خاتمہ
۶۔ اسلام میں دین اور سیاست جدا نہیں
۷۔ اسلام ایک زندہ قوت ہے
۸۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات
۹۔ اسلام وسیلہ کامرانی
۱۰۔ نسلی، وطنی اور لسانی نظریۂ قومیت کی تردید
۱۱۔ مسلم اُمت کی بنیاد۔۔۔اسلام
۱۲۔ اسلام ذریعہ اتحاد
۱۳۔ مسلم ریاست کی ضرورت
۱۴۔ قرآنی تعلیمات قیامت تک قابل عمل
۱۵۔ اتحاد عالم اسلام
۱۶۔ مغربی جمہوری نظام کی مذمت
۱۷۔ مذہب کی اہمیت
۱۸۔ قرآن کی عظمت
۱۹۔ فرض کا احساس

۱۔ مسلمانوں کی علیٰحدہ مذہبی اور ثقافتی پہچان:

علامہ اقبال کا خیال تھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے ہندوؤں سے علیحدہ قوم ہیں اور وہ مکمل علیحدہ مذہبی اور ثقافتی پہچان رکھتے ہیں۔ آپ نے 1930ء میں مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"انڈیا ایک برصغیر ہے ملک نہیں۔ یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں۔ مسلم قوم اپنی جداگانہ مذہبی اور ثقافتی پہچان رکھتی ہے۔"

www.paksights.com

۲۔ علیحدہ مسلم ریاست کا تصور:

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ علیحدہ مسلم ریاست کے قیام پر زور دیتے تھے۔ آپ نے 1930ء میں الہٰ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے علیحدہ مملکت کا تصور دیا۔ آپ نے فرمایا:

> ''میں چاہتا ہوں کہ پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان ایک ریاست میں مدغم ہو جائیں۔ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ برطانوی حکومت کے اندر رہتے ہوئے یا باہر، خود مختاری کا حصول اور شمال مغربی علاقوں میں ایک مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن گیا ہے۔''

۳۔ متحدہ قومیت قابل عمل نہیں:

شروع شروع میں علامہ اقبال متحدہ قومیت کے حامی ہوتے تھے۔ مگر کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے متحدہ قومیت کی تردید کر دی اور علیحدہ قومیت کے تصور کی بھرپور حمایت شروع کر دی۔ مارچ 1909ء میں ہندو رہنما منروا راج امرتسر نے علامہ اقبالؒ کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے متحدہ قومیت کے موقع پر خطاب کرنے کی دعوت دی۔ علامہ اقبال نے نہ صرف متحدہ قومیت کے تصور کو مسترد کر دیا بلکہ آپ نے مہمان خصوصی بننے سے بھی انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

> ''میں خود اس خیال کا حامی رہ چکا ہوں کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اُٹھ جانا چاہیے مگر اب میرا خیال ہے کہ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے مفید ہے۔ ہندوستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال اگرچہ نہایت خوبصورت اور شاعرانہ ہے تاہم موجودہ حالت اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔''

۴۔ دو قومی نظریہ کا تصور:

علامہ اقبال دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے بلکہ آپ نے دو قومی نظریہ کو آگے بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا تصور دیا۔ علامہ اقبالؒ نے الہٰ آباد میں 1930ء کو اپنے صدارتی خطبے میں ارشاد فرمایا:

> ''ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں اور گزشتہ ایک ہزار سال سے وہ ہندوستان میں اپنی ایک الگ حیثیت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان دونوں قوموں کے نظریہ آزادی میں نمایاں فرق ہے اور میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سیاسی کشمکش کا حل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر جماعت کو اپنی اپنی مخصوص قومی اور تہذیبی بنیادوں پر آزادانہ شوریٰ (انتخاب اور پارلیمنٹ) کا حق حاصل ہو جائے۔''

۵۔ نسلی اور وطنی امتیاز کا خاتمہ:

1930ء میں علامہ اقبال نے نسلی اور وطنی امتیازات کے خاتمے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اس وقت قوم اور وطن کا تصور مسلمانوں کی نگاہوں میں نسل کا امتیاز پیدا کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام کے انسانیت پر اثرات کم ہو رہے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ نسلی احساسات فروغ پاتے پاتے ایسے اصول قائم کر دیں جو تعلیمات اسلام کے مخالف ہی نہیں ان کے بالکل متضاد ہوں۔''

www.paksights.com

۶۔ اسلام میں دین اور سیاست جدا نہیں:

علامہ اقبال ایک بہت بڑے سیاسی مفکر بھی تھے۔ آپ کے خیال کے مطابق اسلام میں دین اور سیاست جدا جدا نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اس سلسلے میں آپ نے فرمایا:

"اسلام زندگی کی وحدت کو سلب نہیں کرتا۔ وہ مادے اور روح کو ناقابل اتحاد قرار نہیں دیتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح، اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک کل کے مختلف اجزاء ہیں۔ انسان کسی ایسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں ہے جسے ایک روحانی دنیا کی خاطر جو کسی دوسری جگہ واقع ہو ترک کیا جاسکے۔"

۷۔ اسلام ایک زندہ قوت ہے:

علامہ اقبال اسلام کو زندہ قوت سمجھتے تھے آپ کے خیال کے مطابق اسلام نہ صرف مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ بلکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے۔ جو ہر دور کے تمام مسائل کا حل بخوبی اور احسن انداز میں پیش کرتا ہے۔ آپ نے 1930ء میں الہٰ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جس شخص کو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے اعزاز سے نوازا ہے وہ اب بھی اسلام کو ایک زندہ طاقت سمجھتا ہے۔ وہ طاقت جو انسان کے ذہن کو وطن اور نسل کے تصور کی قید سے نجات دلا سکتی ہے۔ اسلام ریاست اور فرد دونوں کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ یہ دستور حیات ہے اور ایک نظام ہے۔ بس یہی وہ بات ہے کہ ہم اگر اُسے پالیں تو مستقبل میں ہندوستان میں ایک نمایاں تہذیب کے علمبردار بن سکتے ہیں۔"

ے سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر!

۸۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات:

علامہ اقبال اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات تصور کرتے تھے۔ آپ کے خیال میں اسلام پر عمل پیرا ہو کر مسلمان دین و دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں آپ نے فرمایا:

"اسلام چند عقائد کا نام نہیں، یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یورپ میں مذہب ایک فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ جو انسانی وحدت کو دو متصادم حصوں یعنی روح اور مادہ میں تقسیم کرتا ہے۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ اور ریاست و کلیسا ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ میرا یقین ہے کہ فرد کی زندگی میں مذہب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام بذات خود تقدیر ہے وہ کسی تقدیر کے تابع نہیں۔"

۹۔ اسلام وسیلۂ کامرانی:

آپ کے خیال میں اسلام وسیلۂ کامرانی ہے۔ آپ نے 1930ء میں تاریخ کی مثالوں سے ثابت کیا کہ ہمیشہ اسلام مسلمانوں کی حفاظت کرتا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ایک سبق جو میں نے اسلامی تاریخ سے سیکھا ہے یہ کہ آڑے وقتوں میں اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی ہے۔ آج اگر آپ اپنی نظریں اسلام پر لگا دیں اور اس کے حیات پرور تخیل سے اثر لیں تو آپ کی منتشر قوتیں از سر نو یکجا ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت اور بربادی سے بچ جائے گا۔"

۱۰۔ متحدہ قومیت کی تردید:

بیسویں صدی کے شروع میں نظریہ قومیت جس کی بنیاد رنگ اور نسل، زبان اور وطن پر رکھی گئی تھی بہت مقبولیت پا رہا تھا۔ اس کے زیر اثر ہندوستان میں بھی ہندوستانی قومیت کا نعرہ بلند ہوا اور کئی مسلمان راہنما بھی اس سیلاب کی رو میں بہہ گئے لیکن علامہ اقبال نے اس نظریہ وطنیت کی شدید مخالفت کی اور فرمایا:

"میں یورپی تصور وطنیت کا مخالف ہوں۔ اس لیے نہیں کہ اگر اسے ہندوستان میں نشوونما پانے کا موقع ملے تو مسلمانوں کو کم تر مادی فوائد حاصل ہوں گے۔ بلکہ اس لیے کہ میں اس میں ملحدانہ مادیت پرستی کے بیج دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک انسانیت کے لئے عظیم ترین خطرہ ہے۔"

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے ۔۔۔ جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

۱۲۔ اسلام مسلم قومیت کی بنیاد:

علامہ اقبالؒ نے مغربی تصور قومیت کو رد کرتے ہوئے متحدہ ہندوستانی قومیت کی شدید مخالفت کی اور اسلام کو مسلم قومیت کی بنیاد قرار دیا۔

آپ نے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ۔۔۔ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار ۔۔۔ قوت مذہب سے مستحکم جمعیت تری
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں ۔۔۔ اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

۱۲۔ اسلام ذریعہ اتحاد:

علامہ اقبال اسلام کی حقانیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ کے خیال میں اسلام اتحاد کا ذریعہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ہماری قومی زندگی کا تصور اس وقت تک ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتا جب تک ہم اس سے پوری طرح باخبر نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر اسلامی تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے۔ جس میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو تعلق انگلستان کو انگریزوں سے اور جرمن کو جرمنوں سے ہے وہ اسلام کو ہم سے ہے، جہاں اسلامی اصول یا ہماری مقدس روایات کی اصطلاح میں خدا کی رسی ہمارے ہاتھ سے چھوٹی وہیں ہماری جماعت کا شیرازہ بکھرا۔"

مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

۱۳۔ علیٰحدہ مسلم ریاست کا مطالبہ:

علامہ اقبال نے علیحدہ مسلم ریاست کو مسلمانوں کے لئے لازم تصور کرتے تھے۔ 1930ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اس صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقے میں مرکوز کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام محض خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی رابطہ کا نام نہیں۔ یہ ایک نظام حکومت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اپنی آزاد مملکت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے اگر اسلام کو ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک مخصوص علاقے میں اس کی مرکزیت قائم ہو۔''

۱۴۔ قرآنی تعلیمات قیامت تک قابل عمل:

علامہ اقبال اسلام کی ابدیت اور آفاقیت کے زبردست حامی تھے۔ ان کے نزدیک اسلام کا پیغام وقت، ملک اور حالات کی پابندیوں سے بالاتر ہے اور مسلم قوم کا وجود اسلام پر عمل کئے بغیر باقی نہیں رہ سکتا۔ آپ کے خیال میں قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ آپ نے قرآن حکیم کی حقانیت کے بارے میں فرمایا:

''آن کتاب زندہ قرآن حکیم — حکمت او لایزال است و قدیم
صد جہاں تازہ در آیات اوست — عصر ہا پوشیدہ در آیات اوست
گر تو می خواہی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن''

۱۵۔ اتحاد عالم اسلام:

اسلام کے معاشرتی نظام میں ''اخوت'' یا بھائی چارے کا اصول بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس کی بدولت ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ہمدردانہ تعاون اور ایثار و قربانی کا ثبوت پیش کرتا ہے علامہ اقبال بھی اسلامی معاشرے کو رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود سے بالاتر سمجھتے تھے۔ آپ اتحاد عالم اسلام کے علمبردار تھے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

۱۶۔ مغربی جمہوری نظام کی مذمت:

علامہ اقبال مغربی جمہوری نظام کے جو جدید دنیا میں بڑی مقبولیت حاصل کر رہا تھا، زبردست مخالف تھے۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کے سیاسی اور معاشرتی مسائل کا حل صرف اسلامی جمہوری نظام میں ہے۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام — چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

www.paksights.com

۱۷۔ مذہب کی اہمیت:

علامہ اقبال کے خیال میں مذہب کے بغیر ایک فلاحی ریاست کا قیام ممکن نہیں اور مذہب کے بغیر دنیا کے تمام نظام ہائے حکومت ظالمانہ ہیں۔ کوئی قوم مذہب کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

ایک اور جگہ علامہ اقبال نے مذہب کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

۱۸۔ قرآن کی عظمت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسلام کے لازوال اور ابدی اصولوں کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک قرآنی تعلیمات کو ماننے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے ہی قیامت تک اقوام عالم کی راہنمائی کر سکتے ہیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

۱۹۔ فرض کا احساس:

علامہ اقبال اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کو اپنے فرائض کی بجا آوری کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک منزل کا حصول ممکن نہیں۔ آپ نے مسلمانوں کو احساس فرض کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

> ’’مسلمانوں کے سامنے اب یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ انہیں موجودہ پالیسی پر کب تک عمل کرنا ہوگا۔ اگر آپ کا فیصلہ موجودہ حکمت عملی کو خیر باد کہنے کا ہو تو آپ کا سب سے مقدم فرض یہ ہے کہ پوری جماعت کو ایثار کے لیے تیار کریں۔ جس کے بغیر کوئی غیرت مند قوم باعزت زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے نازک وقت آن پہنچا ہے۔ اپنا فرض بجا لایئے یا اپنے وجود کو مٹا دیجئے۔‘‘

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشادہ شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گزر

حاصل بحث:

مختصراً یہ کہ شاعر مشرق جو کہ مغربی قانون کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے بھی ماہر تھے۔ مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کے حامی تھے ان کی شاعری اور نثر دونوں میں مسلمانوں کے لئے اپنے قومی تشخص کی اہمیت واضح اور عیاں ہے۔ انہوں نے بھٹکے ہوئے قافلہ مسلم کو سوئے حرم چلنے کی راہ دکھائی اور اختلافات مسلم کو مسائل کا واضح حل قرار دیتے ہوئے علیحدہ وطن کے قیام کی پیش گوئی کی۔

سوال نمبر 3

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آیا۔ وطن عزیز کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانان ہند نے جس کٹھن اور طویل سفر کا آغاز کیا تھا وہ اختتام پذیر ہوا۔ انگریز اور ہندو دونوں پاکستان کے حق میں نہیں تھے۔ تقسیم ہند کو تسلیم کرتے ہوئے کانگریسی رہنما ابوالکلام آزاد نے کہا تھا "ہندوستان تقسیم ہوا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ یہ تقسیم زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گی اور یہ دونوں حصے جنہیں ہم آج الگ کر رہے ہیں ایک دن مل کر ایک ہو جائیں گے۔"

چنانچہ انگریزوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر ابتدا ہی سے پاکستان کے لیے لاتعداد مسائل کھڑے کر دیے تاکہ یہ ملک اپنی آزادی برقرار نہ رکھ سکے اور پاکستان ایک بار پھر ہندوستان کا حصہ بن جائے۔

پاکستان کی ابتدائی مشکلات

پاکستان کی ابتدائی مشکلات مندرجہ ذیل تھیں:

-1 ریڈکلف ایوارڈ کی ناانصافیاں:

3 جون 1947ء کے منصوبے کے تحت صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال کی مسلم اور غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو پاکستان میں شامل ہونا تھا اور غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو ہندوستان میں شامل تھا۔اس مقصد کے لیے صوبوں کی تقسیم کی ذمہ داری ایک انگریز وکیل ماہر قانون سر سیریل کے سپرد کی گئی۔سر ریڈکلف ایوارڈ نے اس کے دباؤ میں آکر صوبوں کی تقسیم میں بہت زیادہ بددیانتیاں کیں۔ضلع گورداسپور کی مسلم اکثریت والی تین تحصیلیں گورداسپور، پٹھانکوٹ اور بٹالہ، نیز ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ اور بعض دوسرے مسلم اکثریت والے علاقے ہندوستان میں شامل کر دیئے گئے۔اسی طرح کی بددیانتی بنگال کے حد بندی ایوارڈ میں کلکتہ کا شہر اور بندرگاہ، ضلع مرشد آباد اور ندیہ کے علاقے متفقہ فیصلے کے بعد ہندوستان کو دے دیئے گئے۔گورداسپور کے علاقے ہندوستان کو دینے کا مقصد صرف یہ تھا کہ بھارت کو کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لئے راستہ دے دیا جائے اگر صوبہ پنجاب کی تقسیم صحیح ہوتی تو کشمیر کا مسئلہ کبھی پیدا نہیں ہوتا جس پر تین پاک بھارت جنگیں ہو چکی ہیں۔

قائداعظمؒ نہایت بااصول آدمی تھے چونکہ وہ ریڈکلف کو ثالث تسلیم کر چکے تھے۔اس لئے وہ اس کا فیصلہ ماننے پر اصولاً مجبور تھے انہوں نے فرمایا:

"یہ ایوارڈ غیر منصفانہ، ناقابل فہم بلکہ غیر معقول ہے چونکہ میں اس پر عمل کرنے کا عہد کر چکا ہوں، اس لئے اس کی پابندی ہم پر لازمی ہے۔بہرالحال جو مشکلات آئیں گی ہم انھیں برداشت کریں گے۔

-2 انتظامی مشکلات:

ابتداء میں پاکستان کو غیر ملکی انتظام میں بے حد مشکلات پیش آئیں۔دفتروں میں اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے والے زیادہ تر ہندو تھے۔وہ جاتے ہوئے دفتری سامان حتیٰ کہ ٹائپ رائٹر تک اپنے ساتھ لے گئے۔وہ اکثر پرانے ریکارڈ بھی عمداً ضائع کر گئے۔کراچی کو پاکستان کا دارالحکومت بنایا گیا، تو مرکزی حکومت کے کئی دفاتر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے پارکوں میں بنائے گئے۔ہر محکمے میں تجربہ کار عملہ کی بے حد کمی تھی۔دفتروں میں سٹیشنری ناپید تھی۔کئی دفتر کھلے آسمان تلے کام کرنے پر مجبور تھے اور کچھ انگریزوں کو بھرتی کر کے کام کا آغاز کیا گیا۔کیکر کے کانٹوں سے کامن پنوں کا کام لیا گیا۔کام کا آغاز بے حد مشکل تھا لیکن قوم پرعزم تھی، عوام میں جذبہ تعمیر موجود تھا۔لہذا انھوں نے جلد ہی مشکلات پر قابو پالیا۔

-3 مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ:

قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی ہندوؤں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمان بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کرنا اور خواتین کو وحشی درندوں کی طرح بے آبرو کرنا شروع کر دیا۔روزانہ لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین لٹ پٹ کر پاکستان پہنچنے لگے، لاکھوں ضعیف، عورتیں اور بچے تو راستے ہی میں شہید کر دیے جاتے۔تاہم جو مہاجرین پاکستان آنے میں کامیاب ہو گئے۔ان کی تعداد بھی ایک کروڑ پچیس لاکھ سے زیادہ تھی اور یہ ایک عالمی ریکارڈ ہے۔یہ ایک بھارتی سازش تھی کہ پاکستان پر ان مفلس وقلاش یتیموں، بیواؤں اور مہاجرین کا اتنا زیادہ بوجھ ڈالو کہ ان کی معیشت اپنے پاؤں پر نہ کھڑی ہو سکے۔لیکن قائداعظم کی تقاریر مہاجرین کا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔حکومت نے انھیں عارضی کیمپوں میں رکھا۔

4- اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ:

برصغیر کی تقسیم کے بعد اثاثوں کی پاکستان اور بھارت میں مناسب تقسیم انصاف کا تقاضا تھی لیکن یہاں بھی ہندوؤں نے روایتی تنگ نظری کا ثبوت دیا اور بہانے سے پاکستان کو اس کا حصہ دینے سے گریز کرتے رہے۔ جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو متحدہ ہندوستان کے مرکزی بنک (ریزرو بنک) میں چار ارب (چار بلین) جمع تھے تناسب کے لحاظ سے ان میں سے پچھتر کروڑ (750 ملین) روپے پاکستان کو ملنا چاہئے تھے۔ بھارت پاکستانی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے یہ اثاثے دینے میں مسلسل ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ آخر پاکستان کے مسلسل مطالبے پر اور بین الاقوامی ساکھ قائم رکھنے کے لئے اس نے پاکستان کو بیس کروڑ دے دیئے۔ باقی اثاثوں کی ادائیگی کے لئے بھارتی وزیر سردار پٹیل نے یہ شرط لگائی کہ پاکستان کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ تسلیم کرلے۔ پاکستان اس ظالمانہ سودے بازی کے لئے کیسے آمادہ ہوسکتا تھا؟ آخر بین الاقوامی شرمندگی سے بچنے کے لئے گاندھی کے کہنے پر بھارتی حکومت نے 50 کروڑ روپے کی ایک مزید قسط پاکستان کے حوالے کردی۔ اس کی بجائے بھارت نے متحدہ ہندوستان پر بیرونی قرضہ جات کا بیس فیصد بھی پاکستان کے ذمے ڈال دیا جو دہلی کے اجلاس کی گفت وشنید کے بعد ساڑھے سترہ فیصد کردیا گیا۔

5- فوج کی تقسیم:

انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ملک کی تقسیم کے فیصلے کے ساتھ ہی افواج اور فوجی ساز وسامان کی تقسیم بھی عمل میں آجاتی۔ بھارتی کمانڈر ان چیف فیلڈ مارشل ''آکن لک'' چاہتا تھا کہ افواج کو تقسیم نہ کیا جائے اور اسے ایک ہی کمانڈر کے تحت رکھا جائے لیکن مسلم لیگ اس پر رضامند نہ ہوئی۔ آخر طے پایا کہ پاکستان کو فوجی اثاثوں کا 36 فی صد اور بھارت کو 64 فی صد ملے گا۔ اس وقت متحدہ ہندوستان میں 16 اسلحہ فیکٹریاں کام کررہی تھیں اور ان میں سے ایک بھی پاکستانی علاقے میں نہ تھی اور بھارتی حکومت کسی اسلحے کا کوئی پرزہ پاکستان کو دینے پر آمادہ نہ تھی۔ تیار اسلحے کے تمام ڈپو بھی بھارت میں تھے۔ ان کی تقسیم کا جو طریقہ کار پیش کیا جاتا۔ بھارت اسے جان بوجھ کر مسترد کردیتا۔ افواج کی فوری تقسیم نہ کرنے کا یہ اثر ہوا کہ بھارتی افواج اپنی نگرانی میں پاکستانی علاقوں میں رہنے والے ہندوؤں سکھوں کو مال ودولت اور ساز وسامان سمیت بحفاظت نکال کرلے گئیں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ پاکستان کو آرڈیننس فیکٹری کے قیام کے لیے 60 ملین روپے دیے جائیں گے۔ اثاثوں کی تقسیم کا جو منصوبہ بھی بنایا گیا۔ حکومت ہند اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیتی۔ نتیجتاً پاکستان کے ساتھ فوجی اثاثوں کی تقسیم میں بے حد بددیانتی کی گئی۔

6- دریائی پانی کا مسئلہ:

پنجاب کو سندھ کے پانچ معاون دریا ستلج، راوی، چناب، بیاس اور جہلم سیراب کرتے ہیں۔ ریڈ کلف نے تقسیم ملک کے وقت یہ بددیانتی کی کہ دریائے راوی کا مادھوپور ہیڈ ورکس اور دریائے ستلج کا فیروز پور ہیڈ ورکس بھارت کے حوالے کردیے حالانکہ ان ہیڈ ورکس سے نکلنے والی نہریں پاکستان کے وسیع علاقوں کی آبپاشی کا واحد ذریعہ ہیں۔ بھارت نے اپریل 1948ء میں جب کہ ہماری گندم کی فصل تیار کھڑی تھی۔ ہمارے دریاؤں کے پانی کا راستہ روک لیا۔ نیز بھارت نے دریائے ستلج پر بھاکڑا ڈیم بنانے کا فیصلہ کیا تو پاکستان نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ اور عالمی برادری کو بھارت کی زیادتیوں اور بے انصافیوں سے آگاہ کیا۔ آخر کار عالمی بنک کی مدد سے 1960ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ''سندھ طاس معاہدہ'' طے پایا جس کی رو سے تین مشرقی دریاؤں راوی، ستلج اور بیاس پر بھارت کا حق تسلیم کرلیا گیا چناب اور سندھ، جہلم پاکستان کو ملے اسطرح پاکستان کا نہری پانی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہوگیا۔

www.paksights.com

7- آئین سازی میں مشکلات:

پاکستان قائم ہوا تو آئین بنانے کا کام اس دستور ساز اسمبلی کے سپرد ہوا جو 1946ء کے انتخابات کے تحت وجود میں آئی، اسے نہ اسلامی آئین سے کوئی واقفیت تھی نہ اسے اس معیار پر منتخب کیا گیا تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ نہ اسمبلی ممبران کی اکثریت اسلامی آئین کا نفاذ چاہتی تھی۔ چنانچہ وقتی طور پر 1935ء والے انڈیا ایکٹ کو ضروری تبدیلیاں کر کے نافذ کر دیا گیا لیکن دستور ساز اسمبلی میں بعض ارکان کے غیر اسلامی ذہن اور منفی رویئے کے باعث آئین بنانے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ چنانچہ مدت دراز تک پاکستان میں بہت سی آئینی مشکلات پیدا ہوتی رہیں۔

8- ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ:

انگریزوں کے دور میں 635 ریاستیں تھیں۔ جہاں نواب یا راجے داخلی طور پر حکمران تھے۔ ان ریاستوں میں برصغیر کی آبادی کا ایک چوتھائی جبکہ رقبے کے لحاظ سے ایک تہائی علاقے پر مشتمل تھیں۔ ان ریاستوں میں کشمیر، جوناگڑھ، حیدر آباد، دکن، مناوادر وغیرہ کی ریاستیں شامل تھیں۔ ہندوستان نے ان ریاستوں پر جبری قبضہ کر لیا اور پاکستان کو وسیع مسلم علاقے سے محروم کر دیا۔ اس طرح پاکستان کے لیے ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا۔

9- بھارت کی پاکستان دشمنی:

ہندوؤں نے کبھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہ کیا اور ساری دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ نوزائیدہ مملکت چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے گی کانگریس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے تقسیم ہند پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''کانگریس کا نصب العین متحدہ ہندوستان تھا اور وہ اب بھی پر امن ذرائع سے اس کے لیے اپنی کوشش جاری رکھے گی۔'' پنڈت نہرو نے کہا: ''ہماری یہ سکیم ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اس کے بعد معاشی طور پر یا دوسرے ذرائع سے ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں شامل کر لیجیے''۔ اس قسم کے بیانات سے ہندوؤں نے مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی اور بددلی پیدا کرنے کی کوشش کی مگر پاکستانی قوم نے ہمت نہ ہاری اور وہ اپنے عظیم قائد کی راہنمائی میں تعمیر وطن کے لیے مصروف عمل ہوگئی۔

10- سرکاری ملازمین کی پاکستان منتقلی:

تقسیم ہند کے فوراً بعد پنجاب، سرحد اور سندھ کے تمام ہندو انتخاب خاصا کٹھن کام تھا اس لیے مجبوراً بعض اہم سول اور فوجی عہدوں پر انگریزوں کو برقرار رکھا گیا بھارت سے مسلمان سرکاری ملازمین کو پاکستان منتقل کرنا بھی حکومت کے لیے بہت بڑا مسئلہ تھا اس مقصد کے لیے سپیشل ٹرینیں چلائی گئیں۔ لیکن ہندوؤں اور سکھوں نے ان گاڑیوں پر حملے کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا بھارتی فضائی کمپنیوں نے ہوائی جہاز کرایہ پر دینے سے انکار کر دیا ان حالات میں پاکستان نے حکومت برطانیہ سے چالیس جہاز حاصل کیے، جنھوں نے سرکاری ملازمین کی کثیر تعداد کو پاکستان پہنچانے کا کام کیا دراصل حکومت بھارت کا مقصد یہ تھا کہ تربیت یافتہ افسران کی عدم موجودگی میں کاروبار حکومت تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔

11- معاشی مشکلات:

تقسیم سے قبل ہندوستان میں کپڑے کے تقریباً 400 کارخانے تھے جن میں سے صرف چودہ پاکستان کے حصے میں آئے۔ پٹ سن مشرقی بنگال میں پیدا ہوتی تھی لیکن اس کے سارے کارخانے مغربی بنگال میں تھے کوئلے لوہے اور دیگر معدنیات کے بڑے بڑے ذخائر بھی ہندوستان میں تھے تمام بڑی بندرگاہیں بھارت کے حصے میں آئیں صرف کراچی اور چٹاگانگ کی بندرگاہیں پاکستان کو ملیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پاکستان کو معاشی طور پر تباہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

12- جغرافیائی مشکلات:

تقسیم کے وقت پاکستان دو حصوں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان پر مشتمل تھا دونوں کے درمیان 1750 کلومیٹر کا بھارتی علاقہ حائل تھا۔ دونوں حصوں کے لوگوں میں اسلام کے مشترکہ رشتے کے علاوہ حالات میں بڑا فرق تھا۔ دونوں کے رہن سہن کے طریقے، کلچر، زبانیں اور رسم الخط وغیرہ جدا تھے۔ دشمن کے لیے ان حالات میں دونوں بازوؤں کے درمیان فاصلے اور علاقہ غیر کی موجودگی نے دفاع کے مسئلے کو بڑا پیچیدہ بنا دیا۔

13- مسئلہ کشمیر:

ریاست جموں و کشمیر میں نوے فیصد مسلمانوں کی آبادی تھی اس لیے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق ایک یقینی امر تھا لیکن وہاں کے ہندو ڈوگرہ راجہ ہری سنگھ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے خفیہ ساز باز کر کے بھارت سے کشمیر کے الحاق کا فیصلہ کر لیا اس پر مسلم مجاہدین نے اپنی آزادی کے لیے تلوار اٹھائی ان کی امداد کے لیے قبائلی مجاہدین بھی کشمیر پہنچ گئے اور وہ ریاستی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سری نگر تک جا پہنچے اس پر کشمیر کا راجہ ہری سنگھ بھاگ کر دہلی پہنچا اور ریاست کو بھارت میں شامل کرنے کی درخواست کی جسے بھارتی حکومت نے منظور کیا اور جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ مجاہدین نے بھارتی فوجوں کا بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا حکومت پاکستان کو بھی کشمیری مجاہدین کی امداد کرنا پڑی جس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی مجاہدین نے غیر معمولی شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے موجودہ آزاد کشمیر کا علاقہ بھارت کے قبضے سے آزاد کروا لیا جنگ جاری تھی کہ ہندوستان کی درخواست پر 1948ء میں اقوام متحدہ کی مداخلت سے پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کا مسئلہ پر امن طریقے سے حل کرنے کا معاہدہ طے پایا لیکن بھارت کی ہٹ دھرمی اور اقوام متحدہ کی جانبدارانہ پالیسی کی وجہ سے یہ مسئلہ جوں کا توں موجود ہے۔

14- پختونستان کا شوشہ:

سرحد کے عوام کو ریفرنڈم کے ذریعے یہ طے کرنا تھا کہ وہ پاکستان یا بھارت میں سے کس کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں نے ریفرنڈم کو بھارت کے حق میں لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن سرحد کے غیور عوام نے فیصلہ پاکستان کے حق میں دیا۔ مایوس ہو کر انہوں نے افغانستان سے مل کر ایک آزاد ریاست "پختونستان" کا شوشہ چھوڑ دیا۔

15- قائداعظم کی جلد وفات:

قائداعظم بڑے صاحب بصیرت اور بے لوث قومی راہنما تھے۔ انھوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی کی بدولت قوم کو بہت سے بحرانوں سے نکالا۔ لیکن پاکستان ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو پایا تھا کہ گیارہ ستمبر 1948ء کو قائداعظمؒ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قائداعظم کے بعد لیاقت علی خان نے قوم کو بڑا حوصلہ دیا لیکن ایک سازش کے تحت انھیں بھی شہید کر دیا گیا۔

حاصل کلام:

یوں پاکستان کو ابتداء ہی میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ کے فضل و کرم اور مخلص راہنماؤں کی بدولت پاکستان ہر بحران سے سرخرو ہو کر نکلا اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ ترقی کی منازل تیزی سے طے کر رہا ہے۔

www.paksights.com

سوال نمبر 4

1977ء کی ضیاء الحق کی حکومت کے اسلامی اقدامات:

1977ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے 1973ء کے آئین کو معطل کر کے ملک میں تیسرا مارشل لاء لگا دیا۔ مارشل لاء حکومت نے شروع میں ہی کئی اسلامی اقدامات کیے۔ پاکستان میں نفاذ اسلام کے حوالے سے سنہری دور جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کا دور قرار دیا جاتا ہے۔

اس دور میں مندرجہ ذیل اقدامات کیے گئے:

1- زکوٰۃ و عشر کا نظام:

20 جون 1980ء کو ملک میں زکوٰۃ و عشر کا نظام قائم کیا گیا۔ اس نظام کے تحت ہر سال یکم رمضان کو بینکوں میں جمع شدہ رقوم اور سیونگ اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کی کٹوتی کی جاتی ہے اور یہ رقم زکوٰۃ کونسلوں کے ذریعے مستحقین میں تقسیم کی جاتی ہے۔ نظام عشر 1983ء میں نافذ کیا گیا جس کے مطابق سالانہ پیداوار کی مخصوص حد کا 10 فیصد عشر وصول کیا جاتا ہے۔

2- شرعی حدود کا نفاذ:

12 ربیع الاول 1399ھ کو عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر 10 فروری 1979ء کو اسلامی حدود کا آرڈی نینس نافذ کیا گیا جس کے مطابق چوری، شراب نوشی، زنا اور قذف کے جرائم پر اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں۔

3- سود کا خاتمہ:

یکم جنوری 1981ء سے نفع و نقصان کی بنیاد پر کھاتے کھول کر سود سے پاک بینکاری کے مرحلہ وار پروگرام کا آغاز کیا گیا اور یکم جولائی 1984ء سے تمام سیونگ اکاؤنٹس کو پی۔ ایل۔ ایس کھاتوں (Profit & Loss Sharing Accounts) میں تبدیل کر دیا گیا۔

4- شرعی عدالتوں کا قیام:

10 فروری 1979ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر ایک آرڈی نینس کے ذریعے تمام ہائیکورٹس میں شریعت بنچ قائم کر دیے گئے جن میں علماء کرام کو قاضی مقرر کیا گیا۔ مئی 1980ء میں شریعت بنچوں کی جگہ وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جس کا صدر دفتر اسلام آباد میں تھا۔ یہ عدالت ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل سنتی تھی اور اسلام کی تشریح کرتی تھی۔ یہ عدالت اسلام سے متصادم قوانین اور اقدامات کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

5- اسلامیات کی لازمی تعلیم:

1979ء میں تعلیمی نظام کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے میٹرک، انٹر اور ڈگری کلاسوں میں اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔

6- احترام رمضان آرڈی نینس:

جون 1981ء کو رمضان المبارک کے احترام کے لئے خصوصی آرڈی نینس جاری کیا گیا۔ جس کے تحت احترام رمضان نہ کرنے والوں کو تین ماہ قید اور 500 روپے جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔ البتہ ہسپتال، ہوائی اڈے، بندرگاہیں اور ریلوے اسٹیشن اس آرڈی نینس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

7- نظامِ صلوٰۃ:

سکولوں، کالجوں میں ظہر کی نماز کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت نے سرکاری دفاتر میں با جماعت نماز پڑھنے کے لئے بندوبست کرنے کا حکم جاری کیا۔ ہر محلے میں نیک اور صالح لوگوں کو ناظمین صلوٰۃ مقرر کیا گیا۔ صلوٰۃ کمیٹیاں بنائی گئیں تا کہ لوگوں کو نماز کی طرف راغب کیا جائے۔

8- عربی کی لازمی تعلیم:

1979ء میں تعلیمی پالیسی پر نظر ثانی کرتے ہوئے حکومت پاکستان نے سکولوں میں جماعت ششم سے جماعت ہشتم تک قرآن مجید کی تدریس کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی۔

9- بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا قیام:

2 جنوری 1981ء سے اسلام آباد میں شریعت فیکلٹی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی نے کام شروع کر دیا اور اسلامی قوانین کے بارے میں تحقیق کا آغاز کر دیا۔

10- دینی مدارس کی سرپرستی:

اس دور میں پاکستان کے دینی مدارس کے بارے میں انقلابی اقدامات کئے گئے دینی مدارس کی ہر طرح سے سرپرستی کی گئی ان کو مالی امداد کا انتظام کیا گیا اور ان کی اسناد کو بی۔اے اور ایم۔اے کے برابر درجہ دیا گیا۔

11- نشریاتی اداروں کی اصلاح:

ریڈیو، ٹی وی کی اصلاح کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے گئے:

(i) غیر شریفانہ اور غیر اسلامی پروگراموں پر پابندی لگا دی گئی۔

(ii) ٹی وی پر خواتین کو دوپٹہ اوڑھنے کے احکامات جاری کئے گئے۔

(iii) قرآن پاک اور عربی کی تعلیم کا اہتمام ریڈیو اور ٹی وی سے کیا گیا۔

(iv) ذرائع ابلاغ کو اسلامی قومی جذبات ابھارنے کے لئے احکامات جاری کیے گئے۔

(v) حج اور دینی تقریبات مثلاً شبینہ کی محافل ٹی وی پر دکھائی جانے لگیں۔

(vi) اذان کی ابتداء

12- قصاص اور دیت کا قانون:

ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ قصاص اور دیت کا اسلامی قانون نافذ کیا گیا۔

13- قراردادِ مقاصد آئین کا مستقل حصہ:

جنرل ضیاء الحق نے 1973ء کے آئین میں 1985ء میں ترمیم کر کے قرارداد مقاصد کو آئین کا باقاعدہ حصہ بنا دیا۔

14- عدالتی طریق کار کی اصلاح:

عدالتوں میں ججوں کے لیے برطانوی دور کے لباس کی جگہ شیروانی اور شلوار کو دے دی گئی ہے ججوں کو خطاب کرنے کے لئے مائی لارڈ (My Lord) اور یور لارڈ شپ (You Lordship) کو جناب والا اور جناب عالی کے الفاظ سے بدل دیا گیا ہے۔

15- اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو:

اسلامی نظریاتی کونسل کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے اس کی تنظیم نو کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اس کے ارکان کی تعداد بڑھا کر 20 کر دی گئی۔ اس کونسل میں ہر مکتبہ فکر کے علماء کو قانون کی نمائندگی دی گئی۔ کونسل نے حدود آرڈی نینس، زکوۃ، عشر اور سود سے پاک معاشی نظام کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے بارے میں حکومت کو سفارشات پیش کرنا کونسل کے فرائض میں شامل ہے۔

16- محتسب اعلیٰ کا تقرر:

صدر مملکت نے جون 1981ء میں عوام کو بیوروکریسی اور اعلیٰ حکام کے مظالم سے محفوظ رکھنے اور ان کی جائز شکایات کے فوری ازالے کے لیے اسلامی انداز کا ایک نیا عہدہ محتسب اعلیٰ کے نام سے تخلیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنوری 1983ء میں ایک خصوصی آرڈیننس کے ذریعے وفاقی محتسب اعلیٰ کا منصب قائم کر دیا گیا۔ چیف جسٹس پنجاب سردار محمد اقبال کا اس عہدے پر تقرر ہوا۔ اب تک ہزاروں افراد محتسب اعلیٰ کے ذریعے انصاف حاصل کر چکے ہیں۔

17- مسجد مکتب سکیم:

ابتدائی تعلیم کو دینی مقاصد سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مسجد مکتب سکیم کا آغاز کیا گیا۔ دو سال (86 - 1984ء) کے دوران ملک میں 4182 مسجد مکتب قائم کیے گئے جن میں بچوں کو ابتدائی درسی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے 1986ء میں اس سکیم کو بند کر دیا گیا۔

18- علماء ومشائخ کا احترام:

اسلامی معاشرے کی تشکیل میں علماء دین اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن سابقہ حکومتوں کے دور میں علماء و مشائخ کو وہ مقام حاصل نہیں رہا جس کے وہ مستحق تھے۔ ضیاء حکومت نے پہلی بار علماء و مشائخ سے رابطہ قائم کیا تا کہ اسلامی نظام کے قیام کے لے ان کی آراء سے استفادہ حاصل کیا جا سکے۔ اس ضمن میں علماء و مشائخ کے کنونشن منعقد کرائے گئے۔ اس طرح علماء کو حکومت کے ساتھ براہ راست بات چیت کرنے اور اپنی آراء کے اظہار کا موقع ملا۔ علماء اور مشائخ کو حکومت کے اقدامات پر جائز تنقید کی بھی اجازت دی گئی۔

19- حرمت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین:

صحابہ کرامؓ کی عزت و تکریم ہر مسلمان پر فرض ہے۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی شان مبارک میں گستاخی کو قابل گرفت جرم قرار دیا گیا ہے۔ مجرم کو تین سال قید با مشقت اور جرمانے کی سزا دی جا سکتی ہے۔

20- حج کے لیے سہولتیں:

حکومت نے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مواقع فراہم کیے۔ کفالت سکیم کے تحت وہ تمام لوگ حج کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں جن کے اخراجات بیرون ملک مقیم ان کے عزیز و اقارب برداشت کریں۔ حاجیوں کے مسائل حل کرنے کے لیے "خدام الحجاج" مقرر کیے گئے ہیں۔ حاجیوں کی رہائش کے انتظامات کو بہتر بنانے اور انھیں طبی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کیے گئے۔ پاکستان ہاؤس میں حاجیوں کے قیام و طعام کا بہترین بندوبست کیا گیا ہے۔

www.paksights.com

21- تقریبات:

حکومت نے اہم قومی تقریبات کو سرکاری سطح پر منانے کا فیصلہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کے یوم ولادت کو انتہائی شان وشوکت اور وقار سے منانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ شب برأت اور معراج شریف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے خصوصی پروگرام مرتب کیے جاتے ہیں۔ یوم اقبال کے موقع پر تقریروں اور شعری کلام کے ذریعے علامہ اقبال کے فلسفہ حیات اور نظریات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یوم آزادی کو پورے ملک میں انتہائی جوش وخروش کے ساتھ منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری عمارات کو بڑی خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے۔ جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں تحریک آزادی کے شہداء کو زبردست خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

22- معاشرے کی تشکیل نو:

معاشرے کو اسلامی شکل دینے کے لیے ملک میں مخرب اخلاق لٹریچر پر پابندی لگادی گئی۔ متعصبانہ لٹریچر کی فروخت کو ممنوع قرار دے دیا گیا کیونکہ اس قسم کا لٹریچر علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔ نشہ آور اشیاء کی خرید وفروخت اور استعمال پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ عریانی کی بڑھتی ہوئی لعنت اور فحاشی کے انسداد کے لیے احکامات جاری کیے گئے۔ رسولِ خدا ﷺ کی شان مبارک میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے والے شخص کے لیے سزائے موت یا عمر قید اور جرمانے کی سزا مقرر کی گئی۔ 1984ء میں حکومت نے قادیانیوں کو شعائر اسلام کے نام استعمال کرنے پر پابندی لگادی چنانچہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد نہیں کہہ سکتے تھے۔

23۔ شریعت بل کی منظوری:

1991ء میں شریعت ایکٹ منظور کیا گیا۔ جس کے تحت اقرار کیا گیا ہے کہ شریعت کی بالادستی قائم کی جائے گی۔ نظام تعلیم اسلام کے مطابق بنایا جائے گا۔ پاکستان کا معاشی نظام اسلام کے مطابق بنایا جائے گا۔ بیت المال قائم کیا جائے گا جس سے غریبوں اور ناداروں کی ضروریات کو پورا کیا جائے گا۔ معاشرے کو اسلام کے مطابق بنانے کے لئے برائیوں کا خاتمہ کیا جائے گا۔ کوئی بھی ایسا ٹیکس نافذ نہیں کیا جائے گا جو اسلام سے متصادم ہو۔

حاصلِ کلام:

اسلام کے نام پہ حاصل کی جانے والی یہ ریاست انشاء اللہ تا قیامت قائم رہے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں گے نفاذ اسلام صرف ایوانوں کے بحث ومباحثوں سے نہیں ہوتا۔ اس کے لیے سرزمین پرستی (Nationalism) اور روشن خیالی (Modernism) کا نعرہ لگانے والے دراصل تاریخ کے اُن اوراق کو بھول رہے ہیں جو پکار پکار کے اسلام اور اس کے پکے سچے پیروکاروں کی عظمتوں کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔

غلط نگر ہے تری چشمِ نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک